عالمِ اِسلام

مصر کا تازہ انقلاب اور اس کے اندرونی حقائق

(از جناب خلیل حامدی صاحب)

جمال عبدالناصر کی موت کے بعد منصبِ صدارت کے امیدواروں میں سب سے زیادہ جس کا نام لیا جا رہا تھا وہ علی صبری تھا جو سیاسی حلقوں میں " ماسکو کا آدمی" کہلاتا تھا۔ مگر حالات نے انورالسادات کو یہ منصب بخش دیا۔ اب علی صبری کی کوشش یہ تھی کہ وہ یا تو سادات کو ہٹا کر خود یا اپنے گروہ کے کسی فرد کو مصر کی صدارت پر براجمان کرے اور یا سادات کو اپنا تابع مُہمل بنا کر رکھے۔ پالیسی وہ خود بنائے اور سادات کا کام اس کی تنفیذ ہو۔ یُوں سادات اور علی صبری کے درمیان کشمکش شروع ہو گئی۔ اقتدار کی کشمکش نے سیاسی اختلاف کا روپ دھار لیا۔ اس کشمکش نے دو موقعوں پر شدت اختیار کر لی پہلا موقع وہ تھا جب سادات نے راجرز پلان کو قبول کر لیا۔ اِس پلان کی رُو سے مسئلہ فلسطین کو اجزاء میں تقسیم کر دیا گیا تھا اور ایک ایک جزء کو الگ طور پر حل کرنے کی اسکیم بنائی گئی تھی۔ چنانچہ سادات نے اس پلان کے تحت یہ بات منظور کر لی کہ پورے مسئلہ فلسطین کو چھیڑے بغیر شروع میں صرف سویز کو کھول دینے کا منصوبہ بنایا جائے۔ علی صبری نے سادات کے اس موقف کی مخالفت کی۔ بظاہر اس مخالفت کا عنوان یہ تھا کہ مسئلہ فلسطین کا تجزیہ صحیح نہیں ہے۔ مگر اس مخالفت کا اصل پس منظر الحیات (بیروت) کے الفاظ میں یہ تھا:

"سادات نے جونہی راجرز پلان کے تحت گفت وشنید کو منظور کر لیا، علی صبری اور سادات کے درمیان اختلاف کا دبا ہُوا لاوا اُبل کر باہر آگیا۔ اس بنا پر نہیں کہ علی صبری فوجی حل کا حامی اور پُر امن حل کا مخالف ہے۔ بلکہ اس لیے کہ علی صبری ہر اُس سمجھوتے کے خلاف ہے جس میں روس کو مؤثر فریق کی حیثیت حاصل نہ ہو۔ دوسرے لفظوں میں مشرق اوسط کے قضیے کا جو سمجھوتہ صرف امریکیوں کی طرف سے پیش کیا جائے گا علی صبری اُسے قبول نہیں کرے گا۔ جب سادات نے سویز کو کھولنے کی تجویز منظور کر لی تو علی صبری نے اس دلیل کی بنا پر اُس کو

رد کر دیا کہ عبدالناصر بھی اس طرح کی تجویز کو رد کر چکا ہے۔ چنانچہ علی صبری نے بائیں بازو کے عناصر کو سادات کے خلاف اُکسانا شروع کر دیا۔[1]

سادات نے ۶ مئی ۱۹۷۱ء کو راجرز کا قاہرہ میں استقبال کیا اور اُس کی آمد کے ۴ روز پیشتر (۲ مئی ۱۹۷۱ء) علی صبری کو نائب صدر کے منصب سے برطرف کر دیا۔ اس کے بعد وہ صرف سوشلسٹ یونین کی اعلیٰ انتظامی کمیٹی کا ممبر رہ گیا۔

دوسرا موقع سادات اور علی صبری کی باہمی رسہ کشی کا وہ ہے جب بنغازی میں سادات نے شام کے حافظ اسد اور لیبیا کے مُعمّر قذافی سے مل کر اتحاد ثلاثی کے معاہدے پر دستخط کیے اور علی صبری نے اس معاہدے کی صاف صاف مخالفت کی۔ سادات کا موقف یہ تھا کہ اسرائیل کے ساتھ آئندہ نپٹنے کے لیے یہ اتحاد ضروری ہے۔ مگر علی صبری اور اس کا گروہ روس کی حکمتِ عملی کے تحت عرب اتحاد کا قائل نہیں ہے۔ اور خاص طور پر وہ ایسے اتحاد کو گوارا نہیں کر سکتا جس کا نقطۂ ماسکہ سوشلزم نہ ہو۔ اتحاد ثلاثی کا یہ حال ہے کہ حافظ اسد (شام)، گو لعبث ازم کا علمبردار ہے مگر کمیونسٹوں کے خلاف ہے۔ مُعمّر قذافی بھی کمیونزم اور کمیونسٹوں کا شدید دشمن ہے۔ سوڈان کا جعفر نُمیری بھی اس اتحاد میں شامل نہیں ہو سکا تھا کیونکہ سوڈان کے کمیونسٹ اس کے خلاف تھے۔ مگر سادات نے علی صبری کی مخالفت کے علی الرغم اتحاد کے معاہدے پر دستخط کر دیئے۔ اور یہ معاہدہ جب منظوری کے لیے مصر کی سوشلسٹ یونین کی اعلیٰ انتظامی کمیٹی کے اندر رکھا گیا تو اس کی مخالفت میں ۵ اور حق میں صرف ۳ ووٹ آئے۔ سادات نے یہ سمجھ کر کہ اعلیٰ انتظامی کمیٹی زیادہ تر علی صبری کے حامیوں پر مشتمل ہے اس معاملے کو سوشلسٹ یونین کی مرکزی کونسل میں بحث کے لیے منتقل کر دیا۔ علی صبری اور اس کے حامیوں نے ملک کے گوشے گوشے میں اپنے آدمی بھجوا کر مرکزی کونسل کے ارکان کو آمادہ کر لیا کہ وہ اتحاد کی حمایت نہ کریں۔ چنانچہ جب کونسل کا اجلاس ہوا تو پہلی رائے شماری میں ۴۵ اتحاد کے خلاف اور ۵ حق میں ووٹ آئے۔ مگر سادات کے اصرار پر معاہدے میں بنیادی تبدیلیاں تجویز کر کے اُسے منظور کر لیا گیا۔ اس واقعے سے سادات کو اندازہ ہو گیا کہ آئندہ کتنے مضبوط گروپ کے ساتھ اُس کو پالا پڑنے والا ہے۔

اب اس پورے گروپ نے سادات کو صدارت سے الگ کرنے کی اسکیم بنا لی۔ یہ گروہ بڑے با اثر لوگوں پر مشتمل تھا مثلاً محمد فوزی وزیر جنگ، شعراوی جمعہ نائب وزیر اعظم و وزیر داخلہ، سامی شرف

---

[1] الحیات (بیروت) ۱۲ مئی ۱۹۷۱ء

وزیر ریاست برائے امور صدارت، محمد فائق وزیر اطلاعات، لبیب شقیر اسپیکر نیشنل اسمبلی، سعد زاید وزیر آبادکاری، حلمی سعید وزیر، عبدالمحسن ابوالنور سکرٹری سوشلسٹ یونین، جنرل حسن طلعت ڈائرکٹر جنرل شبلی جنس احمد کامل انسپکٹر جنرل پولیس اور بہت سے دوسرے افراد۔ یہ پورا گروپ ان عناصر پر مشتمل ہے جن کی بدولت جمال عبدالناصر مصر پر مدتِ دراز تک حکمرانی کرتا رہا۔ دوسرے لفظوں میں مصر میں حکمرانی کی زمامِ کار چار اداروں کے ہاتھ میں تھی:

۱- فوج: جس کا پہلا سربراہ عبدالحکیم عامر تھا اور اس کے بعد محمد فوزی۔ الحدید (بیروت) لکھتا ہے: "فوج ہمیشہ مصری حکومت کی محافظ رہی ہے۔ عبدالناصر کے عہد میں بڑے بڑے فوجی افسر حکومت کی حفاظت کا بنیادی کردار ادا کرتے تھے۔ عبدالناصر نے اپنے تمام معاونین فوج میں سے منتخب کر رکھے تھے۔ ایک ہزار پانچ سو بڑے بڑے فوجی افسروں کو سول عہدوں پر لگایا گیا۔[۱] چنانچہ فوج نے مصر کے اندر جو لوٹ کھسوٹ مچائی اور جس طرح مصری عوام کے جان و مال اور آبرو پر ڈاکے ڈالے اور جون ۶۷ء کی جنگ میں جو بھونڈا کردار ادا کیا۔ اسی کی وجہ سے عوام فوج سے اس قدر متنفر ہو گئے کہ جس فوجی افسر کو وردی میں دیکھتے اُسے اپنے نکتوں اور چٹکلوں کا نشانہ بناتے۔ یہاں تک کہ صدر ناصر کو یہ احکام جاری کرنے پڑے کہ کوئی فوجی افسر ڈیوٹی کے اوقات کے علاوہ وردی نہیں پہن سکتا۔ الحدید لکھتا ہے: "ناصر نے آخر کار ملٹری ہیڈکوارٹر کو یہ حکم جاری کیا کہ تمام افسران کو مطلع کر دیا جائے کہ وہ عام اوقات میں اپنا سرکاری لباس نہ پہنا کریں۔ فوج کے خلاف عوام کے اندر نفرت و حقارت کا طوفان اُبل پڑا جس کے نتیجے میں جمال عبدالناصر کو مجبور ہونا پڑا کہ وہ سیاسی طاقت کی حیثیت سے فوج کو سامنے نہ لائے۔ فوجی افسروں کی بہت بڑی تعداد نے حکومت کی برکات سے سیاسی اور انتظامی قیادت پر قبضہ کر لیا اور ملک کے اندر وہ ایک نیا طبقہ بن کر سامنے آ گئی۔ اُس نے ایسا ظالمانہ راستہ اختیار کر لیا جس نے عوام کے اندر اس کے خلاف انتقام کی آگ بھڑکا دی اور عوام چٹکلوں اور لطیفوں کے رنگ میں فوجیوں کو اپنے انتقام کا نشانہ بنانے لگے۔"[۲]

۲- سوشلسٹ یونین۔ مصری میثاق کی رُو سے سوشلسٹ یونین مصر کا سب سے بڑا بااختیار ادارہ ہے جس کا اقتدار ریاست اور حکومت دونوں پر حاوی ہے۔ لیکن سوشلسٹ یونین کے لیڈروں نے ملک کے اندر اور ملک کے باہر اپنی "اشتراکیت نوازی" کا جو ثبوت دیا ہے وہ مصر کا ہر فرد جانتا ہے ۱۹۶۵ء

---

[۱] الحدید ۸ ارجون ۱۹۷۱ء [۲] الحدید ایضاً

کے اواخر میں جب سوشلسٹ یونین کے ذمہ داروں کو یہ محسوس ہوا کہ یونین عوام کے غیظ و غضب کا براہِ راست نشانہ بن چکی ہے تو ان لوگوں نے سامی شرف وزیر ریاست برائے امورِ صدارت کے اشارہ پر یونین کے اندر ایک خفیہ تنظیم قائم کرلی۔ سامی شرف اس کا نگران اعلیٰ تھا اور شعراوی جمعہ وزیر داخلہ اس کا انچارج۔ انور السادات نے جب صدارت کا عہدہ سنبھالا تو اس وقت صرف قاہرہ میں اس خفیہ تنظیم کے ارکان کی تعداد ۵ ہزار تھی۔[1]

الحدید لکھتا ہے: "سوشلسٹ یونین کی اس خفیہ تنظیم نے مصر کے اندر خوف و ہراس اور بے اعتمادی کی شدید فضا پیدا کر رکھی تھی۔

اس تنظیم میں نمایاں افراد کو بڑی چھان بین کے بعد داخل کیا جاتا تھا۔ اس میں صحافی بھی شامل تھے، پولیس کے افسران بھی، وکلاء اور جج بھی اور سرکاری افسر بھی۔ تنظیم کی طرف سے ممبروں کو باقاعدہ ماہانہ اضافی معاوضہ ملتا تھا مثلاً کوئی جج اگر اس کا رکن بن جاتا تو اُسے ڈھائی سو پونڈ اضافی تنخواہ دی جاتی تھی۔ ہر خفیہ رکن کی کم از کم تنخواہ ایک سو پونڈ تھی۔ اس تنظیم کی ڈیوٹی یہ تھی کہ سوشلسٹ نظام کی حمایت کرے۔ ملک کے اندر پھیلائی جانے والی ہر افواہ اور ہر کہانی کو تنظیم کے سربراہ شعراوی جمعہ تک پہنچائے اور بوقت ضرورت ان لوگوں کے حق میں مظاہرے منظم کرے"۔۔۔ "صحافت کے اندر بھی خفیہ تنظیم کے گھونسلے تھے تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ صحافیوں کے اندر ایک سو ساٹھ تنظیم کے تنخواہ دار ملازم تھے جو اخبارات سے بھی اپنا معاوضہ لیتے اور تنظیم سے بھی۔ ان میں روزا الیوسف کے چیف ایڈیٹر کامل الزہری، المصور کے چیف ایڈیٹر احمد بہاء الدین اور الجمہوریہ کے ایڈیٹر بھی شامل تھے۔ ہر دفتر اور ہر محکمے میں صف اول کے لوگوں کے اندر اس تنظیم کے ارکان موجود تھے"۔[2]

ایک مصری جج کا بیان ہے: "تم یہ تصور کرسکتے ہو کہ مصر کے اندر ایک گروپ ایسا موجود تھا جس کے پاس جدید ترین الیکٹرونک مشینری تھی۔ اور اُس نے ایک ایسی خفیہ تنظیم قائم کر رکھی تھی کہ اگر وہ حرکت میں آجاتی تو ایک مرتبہ پورا ملک خونریز داخلی انقلاب کی نذر ہو جاتا۔ یہ گروہ لاتعداد سرمائے کا مالک تھا اور اُسے بے لگام اثر و نفوذ حاصل تھا۔ اطلاعات کے جملہ وسائل بھی اس کی ملکیت میں تھے۔ اور انہوں نے عام لوگوں کی جاسوسی کے لیے جو سسٹم نافذ کر رکھا تھا اُس کی مثال کمیونسٹ ملکوں کے سوا کہیں نہیں ملتی۔

[1] الحدید، بیروت، ۹ جولائی ۱۹۷۱ء [2] ایضاً

اس گروہ نے انسانوں پر بڑے ظلم وستم کیے۔ اگر کسی پختہ کار ادر حشیش خور غنڈے کو ایک کیلو گرام حشیش دھنگ، پلادی جائے اور اُسے کہا جائے کہ وہ لوگوں کو عذاب دینے کا انوکھے سے انوکھا طریقہ اختیار کرے تو اس کے دماغ میں بھی کم ازکم یہ اسلوب نہ آئے گا کہ وہ خونخوار بچیوں پر اُن کے قیدی باپوں کے سامنے پولیس کے کُتوں کو چھوڑ دے، یہ اسلوب اس گروہ نے اختیار کیا تھا۔

اسی خفیہ تنظیم کے خلاف انورالسادات نے آواز بلند کی تھی۔ اور وہ تمام کاغذات اور ٹیپیں اور دستاویزیں سرِعام نذرِ آتش کر دی تھیں جن کے اندر ہر شخص کی عزت پر حملے کیے گئے تھے۔

۳۔ خفیہ پولیس۔ اس ادارے کا حال بھی یہ تھا کہ نامور عرب صحافی محمد صادق کے بیان کے مطابق:

"مارکسسٹ سی آئی ڈی کے محکمے میں گھس گئے اور انہوں نے مختلف لوگوں کے خلاف رپورٹیں لکھ لکھ کر بھیجیں۔ کرنل احمد جو پکا کمیونسٹ تھا اِن رپورٹوں کو وصول کرتا اور متعلقہ اشخاص کو جیلوں میں ڈلوا دیتا کیونکہ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ بنیادی آزادیوں اور جمہوری نظام کے بغیر وہ اس گروہ سے تعاون نہیں کر سکتے۔ انقلابی تحریک نے کمیونسٹوں کے ایک چلے بھُنے گروہ کو خرید لیا اور انہیں انٹیلی جنس بیورو میں مختلف کاموں پر لگا دیا۔ بعد میں انہی لوگوں کو مختلف سرکاری محکموں میں پھیلا دیا تاکہ ہر محکمے کے اندر جاسوسی کا کام کریں اور لوگوں کی گفتگوؤں کو حکومت تک پہنچائیں۔ مصر میں سب سے پہلے کمیونسٹوں نے مصریوں کو یہ تعلیم دینے کے لیے اپنی خدمات پیش کیں کہ سیاسی تحریکوں کو کس طرح تشدد کے ساتھ ختم کیا جائے اور کس طرح قید و بند اور قتل و تعذیب کے ذریعہ مخالفین کی زبانیں بند کی جائیں۔ کرنل احمد انور نے اس قدر کشت و خون کیا اور اس قدر لوگوں پر افترا پردازی کی کہ وہ بالآخر پاگل ہو گیا۔ خود جمال سالم بھی مرضِ جنون میں مبتلا ہو گیا تھا اور اسی میں اس کی موت ہوئی۔ احمد انور اور جمال سالم پر جب بیماری کا دورہ پڑتا تھا تو وہ زمین پر گر جاتے اور شدتِ درد سے چیخیں مارتے یہاں تک کہ ان کی آواز بیٹھ جاتی۔ انگلستان امریکہ، فرانس اور روس تک کے ڈاکٹر اِس بیماری کے اسباب دریافت کرنے سے عاجز آ گئے ——— مگر انہیں یہ کیسے معلوم ہو سکتا تھا کہ جو شخص کسی دوسرے انسان پر بلاوجہ ظلم کرتا ہے وہ اللہ کے عذاب

لہ زہیر باروینی، القاہرہ بحوالہ الحدید، ۹ جولائی ۱۹۷۱ء

ہیں گرفتار ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔[1]

شعراوی جمعہ وزیر داخلہ ہونے کی حیثیت سے خفیہ پولیس کا سربراہ تھا۔ اُس نے اِس ادارے کو جس انداز میں استعمال کیا وہ ملاحظہ ہو۔ الجدید کا نامہ نگار مقیم قاہرہ لکھتا ہے:

"شعراوی جمعہ اپنے ہمعصروں میں تشدد کا امام اور فیلسوف کہلاتا ہے۔ خفیہ پولیس نے آج تک تعذیب کے فن میں جو جدید ترین اختراعات کی ہیں یہ اُن سب سے شناسا ہے بلکہ فنِ تعذیب میں کئی ایجادوں کا سہرا اس کے سر ہے۔ یہ نظریہ اسی نے ایجاد کیا ہے کہ اگر ملزم حسبِ منشا بیان دینے سے انکار کرے تو جیل کے اندر اُس کے سامنے اُس کی بیٹیوں اور بہنوں کو پولیس کے کتوں کے آگے ڈالا جائے۔ یہ وہ ایجاد ہے جو نازیوں کے ذہن میں بھی نہ آسکی۔ نہ روسی کمیونسٹ اس کو سوچ سکے اور نہ اتحادیوں نے نشۂ فتح میں مست ہونے کے باوجود اسے اختیار کیا۔"[2]

۴۔ چوتھا بڑا ہتھیار پریس کا تھا۔ اخبارات، ریڈیو، ٹیلیویژن اور نشر و اشاعت کے دوسرے وسائل سب اس کام پر مامور تھے کہ وہ حکومت اور بالخصوص ایک مخصوص گروپ کے حق میں پروپگنڈے کا ہنگامہ بلند کیے رکھیں۔ پیچھے بیان کیا جا چکا ہے کہ علی صبری اور شعراوی جمعہ کی خفیہ تنظیم نے پریس کے لوگوں میں بھی اپنے ایجنٹ پھیلا رکھے تھے جو عبدالناصر کے زمانے میں عبدالناصر کی شخصیت کا ڈھنڈورا پیٹتے رہے اور اس کے بعد علی صبری اور اس کے حامیوں کے نقیب بن گئے۔

اخبارات کو جب قومی ملکیت میں لے لیا گیا تو ایک طرف حکومت کے ہاتھ میں پروپگنڈے کا نہایت مضبوط حربہ آگیا اور مخالفانہ آواز اٹھنے کی کوئی گنجائش باقی نہ رہی دوسری طرف سیاسی پارٹیاں میدان میں موجود نہ ہونے کی وجہ سے ہر اخبار سیاسی پارٹی کا کردار انجام دینے لگا۔ اس سلسلہ میں ایک عرب صحافی زہیر ماردینی نے بڑی دلچسپ معلومات بیان کی ہیں۔ وہ لکھتا ہے:

"مصری صحافت کے قومی تحویل میں چلے جانے کے بعد اخبارات مختلف طالع آزما گروپوں کا اکھاڑہ بن گئے۔ کیونکہ ان کی نیشنلائزیشن جس طریقہ پر ہوئی تھی اس سے حکومت کی کمزوری کھل گئی۔ ناصر ازم کے نام سے جو بھانت بھانت کے سیاسی افکار و نظریاتی مذاہب

۱؎ الجدید ۲۸ جولائی ۱۹۷۱ء — ۲؎ الجدید ۹ جولائی ۱۹۷۱ء

پل رہے تھے وہ اب اخبارات کے ذریعہ نمایاں ہو گئے۔ روایاتی طاقتیں، یعنی سیاسی پارٹیاں، پیشہ ورانہ تنظیمیں اور تعلیمی و فکری ادارے اگر میدان میں نہ ہوں جن کی بدولت عوام کی آرزوؤں اور اُمنگوں اور ان کے تصورات و مطالبات کی نمائندگی اور ترقی ہوتی رہے تو سرکاری اخبارات ہی پارٹیوں کی جگہ لے لیتے ہیں اور مختلف نقطہ ہائے نظر کے اظہار کا پلیٹ فارم بن جاتے ہیں۔ عبدالناصر نے یہ سمجھا تھا کہ اخبارات کو اگر سرکاری تحویل میں لے لیا گیا تو اس طرح وہ صرف ایک ہی پارٹی یعنی سوشلسٹ یونین کے تابع رہیں گے۔ لیکن خود سوشلسٹ یونین اندھیر گردی کا شکار تھی۔ عوام کے بنیادی مسائل سے مُنہ موڑ چکی تھی۔ اور مکروفریب کے کاروبار میں مبتلا ہو چکی تھی۔ اس کا کام صرف اپنے مخصوص مفادات سمیٹنا اور مختلف طالع آزما گروپوں کی حمایت کرنا تھا۔ دوسرے لفظوں میں وہ ان عناصر کی اسیر ہو گئی تھی جو اسے قائم کرنے والے تھے۔ اور یہ وہ عناصر تھے جو اپنی ذات کے سوا کسی قانون اور قوت کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مصری صحافت ایک نہایت خطرناک اور ظالمانہ ہتھیار کی شکل اختیار کر گئی "۔

"عبدالناصر نے مصری صحافت کا یہ خطرناک پہلو دیکھ کر اُسے براہِ راست سوشلسٹ یونین کی انتظامی کمیٹی کی نگرانی میں دے دیا۔ روزنامہ الاخبار کا نگران انورالسادات کو بنایا گیا، روزنامہ الجمہوریہ علی صبری کو دے دیا گیا۔ اور الاہرام کو خود عبدالناصر نے اپنے ہاتھ میں رکھ لیا۔ اس کے نتیجہ میں صورتِ معاملہ یُوں بنی کہ انورالسادات اور علی صبری دو دھڑے مدِمقابل کھڑے ہو گئے جن کا توازن عبدالناصر کے ہاتھ میں تھا۔ عبدالناصر کے بعد یہ دونوں دھڑے بکھر گئے"۔[1]

فاروق کا دَور گو غنڈہ گردی سے خالی نہ تھا، مگر سیاسی پارٹیاں موجود تھیں اور ان کی وجہ سے اخبارات بھی آزاد تھے۔ جولائی ۱۹۵۲ء کے فوجی انقلاب کے بعد شروع شروع میں مصری صحافت نے حسبِ معمول آزادی اور جرأت کا رویہ اختیار کیا۔ لیکن بعد میں اُس پر ۱۸ سال تک کیا گزری، یہ ایک مصری صحافی ہی کی زبان سے سُنیے:

---

[1] الجدید ۱۱ر جون ۱۹۷۱ء

"۴ مئی ۱۹۵۴ء کو مصر کی کونسل آف جرنلسٹ یونین کی طرف سے ایک مشترکہ بیان جاری کیا گیا جس میں کونسل نے پوری شدت کے ساتھ اُن مظالم کی مذمت کی جو مصری حکام کے ایک گروہ کی طرف سے مصری عوام پر کیے جا رہے تھے۔ کونسل نے اپنے ممبروں پر مشتمل ایک کمیٹی بھی بنائی تاکہ عالمی صحافت کے ساتھ ربط قائم کرے اور ان خونریز واقعات کو رُکوائے جو قرونِ وسطیٰ کے مظالم سے بھی فوقیت لے گئے ہیں۔ اس تاریخی بیان پر جن صحافیوں نے دستخط کیے ان میں کونسل کے چیئرمین حسین ابوالفتح روزنامہ المصری کے چیف ایڈیٹر، اور مصطفیٰ القشاشی اخبار المصری کے اسسٹنٹ ایڈیٹر، فکری اباظہ، محمود العزب موسیٰ اور محمد عبدالرحیم رخا تھے۔"

"یہ بیان اُس وقت کے تمام مصری اخبارات نے چھاپا۔ سوائے روزنامہ الجمہوریہ کے جس کا نگران میجر صلاح سالم تھا۔ چنانچہ اس بیان کے بعد ۲۳ جولائی کی انقلابی تحریک اور مصری صحافت کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔ روز الیوسف کے ایڈیٹر احسان عبدالقدوس نے ایک بھرپور مضمون لکھا جس کا عنوان تھا: "ایک مسلح جتھہ مصر پر حکومت کر رہا ہے"۔ روز الیوسف کے چیف ایڈیٹر احمد بہاء الدین نے بھی ایک مضمون لکھا اور اس کا عنوان رکھا: "خفیہ فوجی تنظیم کب اپنے چہرے سے پردہ اٹھائے گی"۔ المصری کے چیف ایڈیٹر حسین ابوالفتح نے بھی ایسا ہی ایک تند و تیز مقالہ رقم کیا جس کا عنوان تھا: "دستور کہاں ہے؟" الجمہور المصری کے مالک و ایڈیٹر ابوالخیر نجیب نے اپنے اخبار میں یہ اداریہ لکھا کہ: "اپنی بیرکوں میں پلٹ جائیے"۔ اُستاذ فکری اباظہ نے اس جنگ میں زیادہ سخت رویہ اختیار کیا اور اس فوجی گروہ پر شدید تنقید کی، جو دستور و قانون کے بغیر مصر پر حکومت کر رہا تھا۔"

"ملٹری پولیس احسان عبدالقدوس کے دفتر میں یکایک داخل ہوئی اور اُسے گرفتار کر کے کسی نامعلوم مقام پر لے گئی۔ احمد بہاء الدین کو اس وقت پکڑ لیا گیا جب وہ دفتر آ رہا تھا۔ ابوالخیر نجیب کے گھر پر چھاپہ مار کر اُسے گرفتار کر لیا گیا۔ کونسل آف جرنلسٹ یونین کے چیئرمین حسین ابوالفتح کو کونسل کے دفتر میں گرفتار کیا گیا۔ فکری اباظہ بھاگ گیا۔ یہ قصہ ۶ مئی ۱۹۵۴ء کو پیش آیا۔"

"اس کے بعد مصر پر کئی سال ایسے گزرے جن میں پرانے قلم چھپ گئے اور نئے قلم ظہور پذیر ہو گئے لیکن تاریخ کے ساتھ انصاف کرتے ہوئے ہم کہیں گے کہ بیشتر اہلِ قلم ایسے تھے جنہوں نے تشدد و جبر اور طمع و ترغیب کے باوجود اپنا ضمیر فروخت نہیں کیا۔ انہوں نے جیل کو قلم فروشی پر ترجیح دی، بعض اہلِ قلم گوشہ نشین ہو گئے۔"

"احسان عبدالقدوس نے تین ماہ جیل میں بسر کیے۔ اس دوران اس سے کسی شخص کو ملاقات کرنے کی اجازت نہ تھی۔ اس کی ماں فوجی افسروں کے گھروں کا طواف کرتی، روتی اور آہیں بھرتی، مگر کوئی اسے جواب نہ دیتا۔ مختلف جیلوں کے دروازوں پر جاتی تاکہ معلوم کرے کہ اس کا بیٹا کس جیل میں ہے لیکن کسی نے اس کی طرف امداد کا ہاتھ نہ بڑھایا۔ ایک روز وہ فوجی جیل کے دروازے کے باہر سو رہی تھی۔ میجر صلاح سالم نے اچانک اسے دیکھ لیا اور اپنی گاڑی میں بٹھا کر اسے گھر لے آیا اور احسان عبدالقدوس کو معافی دے دی گئی۔ وہ جیل سے سیدھا روزالیوسف کے دفتر آگیا اور قلم فروشی کو اس نے اپنا پیشہ بنا لیا۔ آخر کار اسے اخبار الیوم کا رئیس التحریر بنا دیا گیا۔ احمد بہاء الدین نے چند روز جیل میں گزارے اور اپنی انٹر اکیت نوازی کی وجہ سے جلد ہی رہا ہو گیا۔ اب وہ آزادی کا محافظ ہونے کے بجائے صبح و شام "آزادی" کو رگیدتا تھا۔ جن لوگوں کی کل تک تعریف کرتا تھا اب ان کے خلاف سی آئی ڈی کو رپورٹیں دینے لگا۔ احمد بہاء الدین کو اس قربانی کی جو قیمت دی گئی وہ یہ تھی کہ پہلے وہ ۱۶ پونڈ ماہانہ کماتا تھا اور بعد میں اس کی ماہانہ آمدنی ایک ہزار چھ سو پچاس پونڈ ہو گئی۔ الجمہور المصری کا ایڈیٹر ابوالخیر نجیب ۱۳ سال تک جیل میں رہا۔ ۸ سال تک اسے اپنے کسی عزیز سے جیل میں ملاقات کی اجازت نہیں دی گئی۔ بکری اباظہ نے بھی خوشامد کا راستہ اختیار کر لیا اور حکومت کی خدمت کو اپنا وطیرہ بنا لیا۔"

"اس روز سے مصری اخبارات نے اپنا اصل انسانی فریضہ ترک کر دیا اور نیا فریضہ اختیار کر لیا یعنی حقائق کو مسخ کر کے پیش کرنا، آزاد اور شریف انسانوں کی شہرت کو بٹہ لگانا اور ان پر کیچڑ اچھالنا اور حکومت کے گن گانا۔"[1]

---

[1] الحدید ۱۸ جون ۱۹۷۱ء مضمون محمد صادق۔

ناصر کے دورِ طویل میں پریس کی جملہ اصناف مصری نظام کی مدح سرائی کے لیے وقف رہیں۔ ملک کے اندر بھی پریس نے یہی خدمات سرانجام دیں اور ملک کے باہر بھی مختلف اخبارات اس غرض کے لیے خرید لیے گئے۔ الحدید کے نامہ نگار زہیر ماردینی مقیم قاہرہ نے انکشاف کیا ہے کہ ناصر صاحب اور ان کے ساتھیوں نے بیرونی ممالک میں پروپگنڈہ کے لیے ۲۰ کروڑ مصری پاؤنڈ کی رقم مخصوص کر رکھی تھی اس رقم کو اب انور السادات نے منجمد کر دیا ہے۔[1]

علی صبری اور اس کے مضبوط گروپ نے مذکورہ بالا وسائل کے ذریعہ سے مصر کے اندر جو خوفناک فضا پیدا کر رکھی تھی اس کا کچھ اندازہ سابقہ بیانات سے ہو جاتا ہے لیکن چند ایک بیانات مزید ملاحظہ ہوں:-

مصر کے نامور روزنامہ الاخبار کے ایڈیٹر موسیٰ صبری نے اپنے تازہ ترین اداریہ میں لکھا ہے کہ ناش کے جو پتے آج تک مصر کے اندر اپنا گھناؤنا کھیل رچاتے رہے ہیں وہ ہمیشہ کے لیے مصر کی سیاسی زندگی سے رخصت ہو گئے ہیں اور مصری عوام کو خوف وہراس کی فضا سے نجات مل گئی ہے۔ الاخبار ہی میں مصر کے ممتاز صحافی عبدالرحمٰن شرقاوی کا ایک مضمون شائع ہوا ہے۔ اس کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

> "گزشتہ عہد میں مصری معاشرے پر اجنبی اور غیر مانوس اقدار کی حکمرانی رہی ہے۔ اس عہد میں بھلائی اور شرافت بیوقوفی شمار ہوتی تھی اور راست روی اور فضیلت کو ناپسندیدہ سمجھا جاتا تھا۔ اس دورِ تاریک میں کوئی شخص اگر اپنے لیے کوئی جگہ حاصل کرنا چاہتا تھا تو اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ طاقت اور نفوذ کے دھڑوں میں سے کسی دھڑے کی پناہ حاصل کرے، گمراہ کن پروپیگنڈے کو شعار بنائے، ظلم و ستم میں مدد دے، جھوٹ کا کاروبار چلائے، اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کی جاسوسی کرے اور اپنے سینے میں انسانی دل کے بجائے پتھر کا سیاہ ٹکڑا رکھے۔"
>
> "اگر کبھی کوئی آواز انقلابی حکومت کے اقدامات کی تصحیح کے مطالبہ میں اٹھتی تھی یا کوئی شخص سوشلزم کے نام پر کی جانے والی دھاندلیوں کو بند کرنے کا مشورہ دیتا تھا تو اسے درندوں کے آگے ڈال دیا جاتا تھا یا اس پر شکاری کتے چھوڑے جاتے۔ اگر وہ پھر بھی اپنے خیالات سے باز نہ آتا تو اس کے پیٹے کٹیاں نصب کر دی جاتیں اور اسے اس الزام میں

---

[1] الجدید ۹ جولائی ۱۹۷۱ء

قید خانے میں پھینک دیا جاتا کہ یہ شخص سوشلزم کا مخالف اور انقلاب کا دشمن ہے"۔

"اب ہمارے لیے خاموشی مناسب نہیں ہے کیونکہ ہم اس وقت تاریکی کی طاقتوں غیر ملکی حملہ آوروں اور داخلی دشمنوں کے خلاف جنگ لڑ رہے ہیں غیر ملکی طاقتوں نے سرزمین مصر کے ایک نہایت قیمتی حصہ پر قبضہ کر رکھا ہے جس کو آزاد کرانا ناگزیر ہے لیکن داخلی حملہ آوروں کا کابوس ہماری چھاتیوں پر سوار رہا ہے اور اس نے اپنے تاریک سائے پورے ملک پر پھیلائے رکھے ہیں۔ اس داخلی سامراج کے اثرات سے بھی ملک کو کلیتہً پاک کرنا ہوگا"۔

"یہ ملکی قزاقوں کا گروہ جسے عوام نے اب اٹھا کر پھینک دیا ہے۔ انقلاب کی مخالفت سوشلزم کی حمایت اور ناصرازم کی علمبرداری کے پردوں میں حکومت کے اندر گھس آیا تھا۔ یہ گروہ ملیشیا کے ذریعہ اور خوفناک جاسوسی نظام کے بل پر اور قید خانوں کی طاقت سے حکمرانی کرتا رہا ہے۔ اس گروہ نے عوام الناس کو کچلنے اور خوف زدہ رکھنے کے لیے نازیوں سے بھی زیادہ شرمناک طریقے اختیار کر رکھے تھے"۔

روزنامہ الجمہوریہ (جو علی صبری کے زیرِ نگرانی نکلتا رہا ہے) نے لکھا ہے کہ انور السادات نے جن لوگوں کو گرفتار کیا ہے وہ عوام کے دشمن تھے۔ قاہرہ کے ایک اور انگریزی روزنامہ "ایجپشن گزٹ" نے لکھا ہے کہ یہ پورا گروہ انسانوں کا نہیں درندوں اور وحشیوں کا گروہ تھا۔ ایک دوسرے صحافی لکھتا ہے:

"عبدالناصر کے دور میں جب ہم گھروں سے نکلتے تھے تو ہمیں اس بات کا یقین نہ ہوتا تھا کہ ہم گھر واپس جا سکیں گے"۔[۱]

یہ بیان خود مصری صحافیوں کے ہیں۔ ۱۷ سال تک بیرونی دنیا مصر کے ان مظالم کے خلاف واویلا کرتی رہی ہے۔ مگر اب خود گھر کے بھیدی ان رازوں سے پردہ اٹھا رہے ہیں۔

(باقی آئندہ)

---

[۱] روزنامہ الاخبار، قاہرہ شمارہ ۱۸ مئی ۱۹۷۱ء صہ ۲ بحوالہ الجدید ۹ جولائی ۱۹۷۱ء